ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2969

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: نظریات فقہیہ اور قواعد فقہیہ کا تعارف (2969) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: فقہ اسلامی میں حق کا مفہوم، ارکان اور اقسام (20 نمبر)

سوال نمبر 1: فقہ اسلامی میں 'حق' کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور اس کے بنیادی ارکان بیان کریں، نیز صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی بنیادی اقسام (حق اللہ اور حق العبد) اور حقوقِ مجردہ و غیر مجردہ کی تفصیل تحریر کریں۔ (20)

تمہید

فقہ اسلامی کا پورا نظامِ معاملات، عبادات اور معاشرتی تعلقات درحقیقت حقوق ہی کے گرد گھومتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، خرید و فروخت، نکاح، وراثت، نقصان کی تلافی اور سزاؤں تک، ہر حکم کے پس منظر میں کسی نہ کسی حق کی حفاظت، ادائیگی یا تعیین موجود ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے حق کی تعریف، اس کے ارکان اور اس کی اقسام پر بڑی توجہ دی ہے۔ حق کا درست تصور طالب علم کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ شریعت نے کس چیز کو کس کے لیے ثابت کیا ہے، اس حق کا مطالبہ کون کر سکتا ہے، اسے معاف کون کر سکتا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر ذمہ داری کس طرح عائد ہوتی ہے۔ اس جواب میں پہلے حق کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر اس کے بنیادی ارکان، پھر صاحبِ حق کے اعتبار سے اس کی دو بڑی اقسام یعنی حق اللہ اور حق العبد، اور آخر میں حقوقِ مجردہ اور غیر مجردہ کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

حق کا لغوی مفہوم

عربی زبان میں لفظ حق کے کئی معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنی ثابت شدہ اور واقع شدہ چیز ہے، یعنی وہ بات جو واقع میں موجود اور یقینی ہو۔ دوسرا معنی واجب اور لازم چیز کا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کام حق ہے یعنی اس کا کرنا لازم ہے۔ تیسرے معنی میں حق سچائی کے مقابل باطل کے آتا ہے، یعنی حق وہ درست اور برحق بات ہے جس کے مقابلے میں باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ قرآن مجید میں لفظ حق ان ہی معانی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے، سچے دین کے لیے اور ثابت شدہ وعدے اور حکم کے لیے۔ لغوی اعتبار سے حق کی جڑ میں ثبوت، وجوب اور استحکام کے مفاہیم پائے جاتے ہیں، اور یہی مفاہیم آگے چل کر اس کی اصطلاحی تعریف کی بنیاد بنتے ہیں، کیونکہ اصطلاحی حق بھی وہی ہوتا ہے جو شرعاً ثابت ہو اور جس کا ثبوت یقینی اور محکم ہو۔

حق کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاحِ فقہ میں حق کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ تقریباً ایک ہی ہے۔ ایک مشہور تعریف یہ ہے کہ حق وہ اختصاص ہے جو شریعت نے کسی شخص کے لیے کسی چیز پر یا کسی عمل کے سلسلے میں ثابت کیا ہو، جس کی بنا پر وہ اس چیز سے فائدہ اٹھانے، اس کا مطالبہ کرنے یا دوسرے کو روکنے کا مجاز ہو۔ دوسرے لفظوں میں حق ایک شرعی

نسبت اور تعلق ہے جو صاحبِ حق اور اس چیز کے درمیان قائم ہوتا ہے جس پر حق ثابت ہے۔ بعض فقہاء نے حق کو یوں بیان کیا ہے کہ یہ وہ فائدہ یا اختیار ہے جو شرع نے کسی انسان کے لیے ثابت کر دیا ہو، خواہ اس کا تعلق مال سے ہو، کسی عمل سے ہو یا کسی شخص کی ذات و عزت سے۔ اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق محض اخلاقی خواہش یا سماجی رواج کا نام نہیں، بلکہ اس کی بنیاد شرعی ثبوت پر ہے۔ جو اختیار شریعت نے نہ دیا ہو وہ حق نہیں کہلا سکتا، اور جو حق شریعت نے ثابت کر دیا ہو اسے کوئی انسان محض اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتا۔ یہی نکتہ اسلامی تصورِ حق کو خالص مادی یا انسانی ساختہ تصورات سے ممتاز کرتا ہے۔

حق کے بنیادی ارکان

فقہاء کے بیان کے مطابق ہر حق کے چار بنیادی ارکان ہوتے ہیں۔ پہلا رکن صاحبِ حق ہے، یعنی وہ شخص یا جہت جس کے لیے حق ثابت ہے۔ یہ انسان بھی ہو سکتا ہے اور بعض صورتوں میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے ذریعے پورے معاشرے کا مفاد بھی ہوتا ہے۔ دوسرا رکن وہ شخص ہے جس پر حق واجب ہے، یعنی جس کے ذمے حق کی ادائیگی یا حق کی پابندی لازم ہے۔ تیسرا رکن محلّ حق یا موردِ حق ہے، یعنی وہ چیز، مال، عمل یا منفعت جس پر حق ثابت ہے، مثلاً قیمت، مکان، خدمت یا نقصان کی تلافی۔ چوتھا رکن سببِ حق ہے، یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے حق پیدا ہوا، جیسے عقد، وراثت، اتلافِ مال یا شرعی حکم۔ اگر ان ارکان میں سے کوئی رکن موجود نہ ہو تو حق کا تصور مکمل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر بیع کے عقد سے بائع کے لیے ثمن کا حق اور مشتری کے لیے مبیع کا حق پیدا ہو جاتا ہے، یہاں عقد ہی سببِ حق ہے، بائع اور مشتری صاحبِ حق اور مدیونِ حق ہیں اور ثمن و مبیع محلِ حق ہیں۔

Figure: Basic classification of Haqq by its holder (sahib al-haqq)

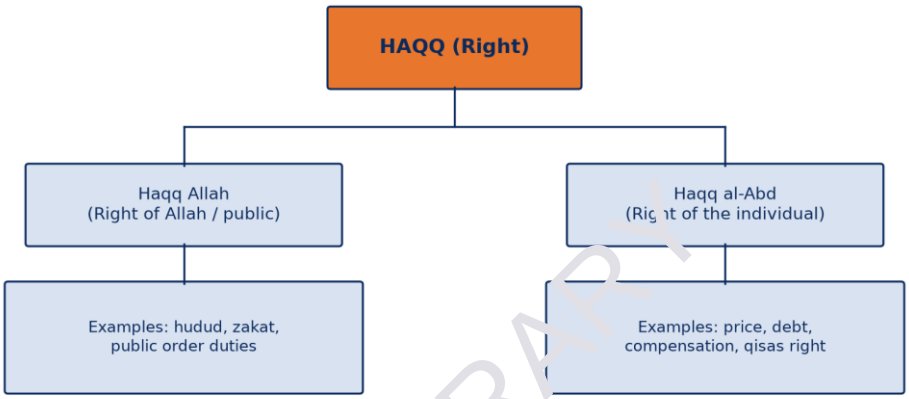

شکل: صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی بنیادی تقسیم

صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی بنیادی اقسام

صاحبِ حق کے اعتبار سے فقہاء حق کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کرتے ہیں: حق اللہ اور حق العبد۔ بعض فقہاء ایک تیسری صورت بھی بیان کرتے ہیں جس میں دونوں پہلو جمع ہوتے ہیں، مگر غالب پہلو کے اعتبار سے فیصلہ انہی دو اقسام کے تحت ہوتا ہے۔ اس تقسیم کی عملی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق کو معاف کرنے کا اختیار کس کے پاس ہے، صلح کس حد تک ممکن ہے اور خلاف ورزی پر کارروائی کس نوعیت کی ہو گی۔

حق اللہ

حق اللہ سے مراد وہ حق ہے جس کا فائدہ عام اور اجتماعی ہو اور جس میں پورے معاشرے کی مصلحت پیشِ نظر ہو۔ اسے حق اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس کا نفع کسی ایک فرد کے بجائے پوری امت اور نظامِ عدل کو پہنچتا ہے۔ عبادات جیسے نماز اور زکوٰۃ، اور حدود و تعزیرات سے متعلق بہت سے احکام اسی قبیل سے ہیں۔ حق اللہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسے کوئی فرد معاف نہیں کر سکتا، نہ اس پر اپنی مرضی سے صلح کر سکتا ہے، کیونکہ یہ کسی فرد کی ملکیت نہیں۔ قاضی اور

حکمران کا کام اس حق کو اس کی شرعی صورت میں نافذ کرنا ہے، اسے ختم کرنا نہیں۔ اسی اصول کی بنا پر حد کے جرم میں شفاعت اور معافی کی گنجائش اس طرح نہیں رہتی جس طرح خالص ذاتی حقوق میں ہوتی ہے۔

حق العبد

حق العبد سے مراد وہ حق ہے جس کا تعلق کسی معین فرد کے ذاتی فائدے سے ہو، مثلاً قرض کی رقم، خریدی ہوئی چیز، اجرت، مہر اور نقصان کی تلافی۔ ایسے حق کے بارے میں صاحبِ حق کو وسیع اختیار حاصل ہے۔ وہ اسے وصول بھی کر سکتا ہے، قصوروار کو معاف بھی کر سکتا ہے، اس پر صلح بھی کر سکتا ہے اور چاہے تو اسے کسی اور کے حوالے بھی کر سکتا ہے۔ عدالت بھی ایسے معاملات میں فریقین کی رضامندی اور صلح کو بڑی اہمیت دیتی ہے۔ البتہ اس اختیار کا یہ مطلب نہیں کہ حق العبد میں شریعت کی کوئی حد موجود نہیں۔ صاحبِ حق اپنے حق کے استعمال میں دوسرے کو بلاوجہ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور جعل سازی، دھوکے اور ظلم کے ذریعے حق کا حصول کسی صورت جائز نہیں ہوتا۔

جدول 1: حق اللہ اور حق العبد کا موازنہ

پہلو	حق اللہ	حق العبد
بنیاد اور فائدہ	اجتماعی مصلحت اور عام فائدہ	معین فرد کا ذاتی فائدہ
مثالیں	عبادات، زکوٰۃ، حدود سے متعلق احکام	قرض، ثمن، اجرت، مہر، تلافیِ نقصان
معافی کا اختیار	کوئی فرد معاف نہیں کر سکتا	صاحبِ حق معاف کر سکتا ہے
صلح کی گنجائش	اصولاً ممکن نہیں	ممکن اور پسندیدہ ہے
مطالبہ کرنے والا	حاکم، قاضی اور معاشرہ بحیثیتِ مجموعی	خود صاحبِ حق یا اس کا وکیل و وارث

حقوقِ مجردہ اور حقوقِ غیر مجردہ

حقوق کی ایک اور اہم تقسیم ان کے محل سے تعلق کے اعتبار سے ہے۔ حقوقِ مجردہ وہ حقوق ہیں جو کسی عین اور ٹھوس چیز سے جداگانہ طور پر ثابت ہوں، یعنی صاحبِ حق کے پاس اس وقت کوئی مادی چیز موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک شرعی اختیار یا مطالبہ ہو۔ مثال کے طور پر قرض دار کے ذمے رقم کا مطالبہ، مہر کا حق، قصاص کا حق اور شفعہ کا اختیار اس نوعیت کے حقوق میں شمار ہوتے ہیں۔ ان حقوق کا وجود ذمے اور التزام پر قائم ہوتا ہے۔ دوسری طرف حقوقِ غیر مجردہ وہ ہیں جو کسی موجود عین یا چیز سے متعلق ہوں، یعنی حق کسی معین چیز پر قائم ہو جیسے مکان کی ملکیت، زمین پر حقِ گزر یا کسی خاص چیز پر قبضہ اور تصرف کا حق۔ غیر مجرد حق میں حق اور اس کا محل باہم جڑے ہوتے ہیں اور چیز کے ختم ہونے یا منتقل ہونے سے حق کی صورت بھی بدل جاتی ہے۔ یہ تقسیم عملی طور پر اہم ہے کیونکہ اسی سے طے ہوتا ہے کہ کوئی حق منتقل ہو سکتا ہے یا نہیں، وراثت میں آگے بڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اس کے مقابلے میں عوض لیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ فقہاء کے ہاں ان مسائل میں تفصیلی بحثیں موجود ہیں اور ان کا اطلاق ہر معاملے کے حالات کے مطابق اہلِ علم کرتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حق در فقہ اسلامی لغت میں ثبوت اور وجوب کا مفہوم رکھتا ہے اور اصطلاح میں وہ شرعی اختصاص اور اختیار ہے جو شریعت نے کسی کے لیے ثابت کیا ہو۔ اس کے چار ارکان صاحبِ حق، مدیونِ حق، محلِ حق اور سببِ حق ہیں۔ صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی دو بڑی قسمیں حق اللہ اور حق العبد ہیں، جن میں معافی، صلح اور نفاذ کے اصول ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف ہیں، اور محل سے تعلق کے اعتبار سے حقوق مجردہ اور غیر مجردہ میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اس پورے تصور سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں حق کوئی لامحدود ذاتی اختیار نہیں بلکہ ذمہ داری کے ساتھ جڑا ہوا ایک متوازن نظام ہے۔

سوال نمبر 2: تعسف فی استعمال الحق کا شرعی تصور (20 نمبر)

سوال نمبر 2: فقہ اسلامی میں 'تعسف فی استعمال الحق' (حق کے ناجائز یا اضرار پر مبنی استعمال) کا شرعی تصور واضح کریں، نیز حق کے استعمال میں تعسف کی ممانعت کے بنیادی شرعی قواعد، ضوابط اور اس کے فقہی نتائج پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔ (20)

تمہید

اسلام نے ہر شخص کو اس کے حقوق عطا کیے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اصول بھی طے کر دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے حق کو دوسرے کے لیے اذیت اور نقصان کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ اسی اصول کی تفصیل فقہ کی اصطلاح میں تعسف فی استعمال الحق کہلاتی ہے۔ سادہ لفظوں میں تعسف یہ ہے کہ کوئی شخص بظاہر اپنا حق استعمال کرے، مگر اس کا مقصد اپنے جائز فائدے کے بجائے دوسرے کو نقصان پہنچانا، اسے تنگ کرنا یا کوئی ناجائز مقصد حاصل کرنا ہو۔ یہ تصور اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلامی فقہ میں حق ذمہ داری سے خالی نہیں ہوتا۔ اس جواب میں تعسف کا مفہوم، اس کی پہچان کے ضوابط اور اس کے فقہی نتائج تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ کسی معین واقعے پر تعسف کا حتمی اطلاق کرنا عدالت اور اہلِ علم کا کام ہے؛ یہاں صرف تعلیمی اصول بیان کیے جا رہے ہیں۔

تعسف کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں تعسف کے معنی راستے سے ہٹنے، سختی اور ظلم سے کام لینے اور بے جا تنگی پیدا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں تعسف فی استعمال الحق سے مراد حق کا ایسا استعمال ہے جو اپنے شرعی مقصد سے ہٹا ہوا ہو۔ یعنی حق بذاتِ خود موجود ہو، اس کا استعمال بظاہر قانونی صورت بھی رکھتا ہو، لیکن استعمال کرنے والے کی نیت، طریقہ یا نتیجہ شریعت کے مقصد کے خلاف ہو۔ فقہاء اس کی عام صورتیں یوں بیان کرتے ہیں کہ آدمی اپنے حق کو محض دوسرے کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے استعمال کرے، یا اس کے حق کے استعمال سے اسے خود معمولی فائدہ ہو اور دوسرے کو غیر معمولی نقصان، یا وہ حق کو کسی حرام مقصد کے حصول کا ذریعہ بنائے، یا وہ ایسی صورت میں حق پر اصرار کرے جہاں دوسرا شدید ضرورت اور اضطرار میں ہو۔ ان صورتوں میں سے ہر ایک میں ظاہری حق موجود رہتا ہے مگر اس کا استعمال تعسف بن جاتا ہے۔

شریعت میں تعسف کی ممانعت کے بنیادی دلائل و قواعد

تعسف کی ممانعت کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام عدل اور رحمت پر مبنی ہیں اور ظلم کو ہر صورت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار زیادتی اور سرکشی سے منع کیا ہے اور حدیث میں مشہور قاعدہ آیا ہے کہ نہ خود نقصان اٹھایا جائے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے، یعنی لا ضرر ولا ضرار۔ یہی حدیث فقہ کے اس بڑے قاعدے کی بنیاد ہے کہ ضرر دور کیا جائے گا۔ دوسرا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ امور کا فیصلہ ان کے مقاصد سے ہوتا ہے، یعنی کسی عمل کی شرعی حیثیت صرف اس کی ظاہری صورت سے نہیں بلکہ اس کے مقصد سے بھی متعین ہوتی ہے۔ لہٰذا جو حق برے مقصد کے لیے استعمال ہو وہ اپنی حقیقت کھو بیٹھتا ہے۔ تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ ذریعے کو بھی مقصد کا حکم حاصل ہوتا ہے، یعنی ناجائز مقصد کا ذریعہ بننے والی صورت بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ اسلامی قانون میں ہر حق کے ساتھ دوسرے کے حق کی رعایت لازم ہے، کیونکہ معاشرہ باہمی تعاون پر قائم ہے اور کسی فرد کی آزادی وہیں ختم ہوتی ہے جہاں دوسرے کی اذیت شروع ہوتی ہے۔

تعسف کی پہچان کے ضوابط

فقہاء نے تعسف کو پہچاننے کے لیے چند ضوابط بیان کیے ہیں تاکہ ہر ناخوشگوار نتیجے کو تعسف نہ سمجھ لیا جائے۔ پہلا ضابطہ قصدِ اضرار ہے، یعنی اگر ثابت ہو کہ حق استعمال کرنے والے کا اصل مقصد دوسرے کو نقصان پہنچانا تھا تو یہ تعسف ہے۔ دوسرا ضابطہ فائدے اور نقصان کا غیر متناسب ہونا ہے، یعنی حق دار کو معمولی سا فائدہ اور دوسرے کو بہت بڑا نقصان ہو تو ایسا استعمال بھی تعسف میں داخل ہے۔ تیسرا ضابطہ غیر معمولی اور غیر مألوف استعمال ہے، یعنی کوئی شخص اپنے حق کو عام رواج اور معمول کے خلاف ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے پڑوسی یا شریک متاثر ہو۔ چوتھا ضابطہ یہ ہے کہ حق کا استعمال کسی حرام یا ناجائز نتیجے تک پہنچنے کا بہانہ ہو۔ پانچواں ضابطہ یہ ہے کہ حق کا استعمال معاشرے کے عام مفاد سے ٹکرا جائے۔ ان ضوابط کے ہوتے ہوئے یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ محض کسی کو ناپسندیدگی یا معمولی تکلیف ہو جانا تعسف نہیں، کیونکہ روزمرہ زندگی میں حقوق کے استعمال سے معمولی اثرات پیدا ہونا فطری ہے۔ فیصلہ ہمیشہ نقصان کی نوعیت، شدت اور حالات دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

روزمرہ زندگی سے تعسف کی مثالیں

اس تصور کو مثالوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص اپنی زمین میں اس انداز سے تعمیر کرے کہ اس کا مقصد صرف پڑوسی کی روشنی اور ہوا روکنا ہو، حالانکہ اسے خود اس تعمیر سے کوئی خاص فائدہ نہ ہو، تو یہ تعسف کی مثال ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی ملکیت کی چیز کو ایسی جگہ استعمال کرے جس سے بیمار پڑوسی کو شدید اذیت ہو، یا اپنے حقِ شفعہ یا حقِ مطالبہ کو محض دوسرے کو تنگ کرنے اور لمبی قانونی الجھن میں ڈالنے کے لیے استعمال کرے، تو یہ صورتیں بھی تعسف کے دائرے میں آتی ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ کوئی شخص قرض کی وصولی کے اپنے حق کو اس طرح استعمال کرے کہ مقروض کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا یا اسے غیر شرعی دباؤ میں لانا مقصد ہو۔ فقہاء نے اس قسم کی صورتوں پر تفصیلی بحث کی ہے اور ہر جگہ یہی اصول دہرایا ہے کہ حق کی حفاظت مقصود ہے، اذیت رسانی نہیں۔

جدول 2: جائز استعمالِ حق اور تعسف کا فرق

پہلو	جائز استعمالِ حق	تعسف فی استعمال الحق
مقصد	اپنا جائز فائدہ حاصل کرنا	دوسرے کو ضرر پہنچانا یا ناجائز مقصد
طریقہ	معمول اور رواج کے مطابق	غیر معمولی، غیر مألوف اور تنگ کن
توازن	فائدہ اور دوسرے کا نقصان متناسب	فائدہ معمولی، نقصان غیر معمولی
شرعی حیثیت	مباح اور محفوظ	ممنوع؛ عدالت روک سکتی ہے
نتیجہ	حق برقرار رہتا ہے	روک، تلافی یا ضمان کا فیصلہ ممکن

تعسف کے فقہی نتائج

جب کسی معاملے میں تعسف ثابت ہو جائے تو اس کے کئی فقہی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ قاضی کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ تعسف پر مبنی استعمال کو روک دے، کیونکہ کسی کو اپنے حق کے نام پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اگر تعسف سے کسی کو مالی نقصان پہنچا ہو تو اس نقصان کی تلافی یعنی ضمان عائد ہو سکتا ہے، کیونکہ ضرر کا ازالہ شریعت کا مسلم اصول ہے۔ تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تعسف پر مبنی تصرف کو کالعدم یا ناقابلِ نفاذ قرار دیا جا سکتا ہے، خصوصاً جب وہ کسی حرام مقصد کا ذریعہ بن رہا ہو۔ چوتھا نتیجہ انتظامی نوعیت کا ہے کہ حاکم وقت عامۃ المصلحت کے پیشِ نظر ایسے استعمال پر شرعی حدود کے اندر پابندی لگا سکتا ہے۔ البتہ یہ تمام نتائج خود کار طور پر لاگو نہیں ہوتے، بلکہ ان کے لیے ثبوت، سماعت اور مستند عدالتی یا شرعی فیصلہ ضروری ہوتا ہے، اور اسی لیے معین مقدمات میں رائے کا کام اہلِ علم اور عدالتوں کا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تعسف فی استعمال الحق اسلامی فقہ کا وہ اہم تصور ہے جو حق اور ذمہ داری کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔ شریعت ہر شخص کے حق کو تسلیم کرتی ہے، مگر اس حق کے استعمال کو عدل، مقصدِ شرعی اور عدمِ ضرر کی حدود میں رکھتی ہے۔ قصدِ اضرار، غیر متناسب نقصان، غیر مألوف استعمال اور ناجائز مقصد تعسف کی نمایاں پہچانیں ہیں، اور ثابت ہونے پر روک، تلافی اور ضمان جیسے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس اصول سے معاشرے میں حقوق کا تحفظ بھی ہوتا ہے اور حقوق کے نام پر ہونے والا ظلم بھی رک جاتا ہے۔

سوال نمبر 3: فسخ کا شرعی تصور اور متعلقہ اصطلاحات سے فرق (20 نمبر)

سوال نمبر 3: عقود و معاملات کی روشنی میں 'فسخ' کا شرعی تصور تحریر کریں، نیز فسخ کا انفساخ، خلع، طلاق، ابطال اور افساد سے فرق واضح کرتے ہوئے فسخِ عقد کے شرعی اسباب و اثرات بیان کریں۔ (20)

تمہید

معاملات کی دنیا میں جہاں عقد کا قائم ہونا اہم ہے وہیں بعض حالات میں عقد کا ختم ہونا بھی اتنا ہی اہم ہو جاتا ہے۔ کبھی فریقین کے درمیان دھوکا ہو جاتا ہے، کبھی چیز معیوب نکلتی ہے، کبھی ایک فریق اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا اور کبھی حالات ایسے بدل جاتے ہیں کہ عقد کا باقی رہنا ظلم بن جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں شریعت نے فسخ کا ادارہ قائم کیا ہے تاکہ عقد کا خاتمہ بھی عدل کے ساتھ ہو اور کسی فریق کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ فسخ کو سمجھنے کے لیے اس سے ملتی جلتی اصطلاحات انفساخ، خلع، طلاق، ابطال اور افساد سے اس کا فرق جاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ ان سب کے اسباب اور اثرات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

فسخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں فسخ کے معنی کھولنے، جدا کرنے اور کسی بندھن کو ختم کرنے کے ہیں۔ اصطلاحِ فقہ میں فسخ سے مراد کسی قائم شدہ عقد کو شرعی سبب کی بنا پر ختم کر دینا ہے، خواہ یہ خاتمہ فریقین کی باہمی رضامندی سے ہو، کسی ایک فریق کے شرعی اختیار کے استعمال سے ہو یا قاضی کے فیصلے سے ہو۔ فسخ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ عقد ابتدا میں صحیح طور پر وجود میں آیا ہوتا ہے، پھر بعد میں پیدا ہونے والے کسی سبب کی وجہ سے اسے ختم کیا جاتا ہے۔ بیع میں عیب کی وجہ سے چیز واپس کرنا، اجارے میں موضوع چیز کے ہلاک ہو جانے پر عقد ختم کرنا اور شرکت یا وکالت جیسے غیر لازم عقود کو ختم کرنا فسخ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ فسخ کا مقصد سزا دینا نہیں بلکہ فریقین کو اس التزام سے نجات دلانا ہے جس کا باقی رہنا اب عدل کے خلاف ہو گیا ہو۔

فسخ کے شرعی اسباب

فسخ کے اسباب فقہاء نے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ پہلا بڑا سبب باہمی رضامندی ہے، جسے بیع میں اقالہ کہا جاتا ہے، یعنی دونوں فریق راضی ہو کر عقد کو ختم کر دیں۔ دوسرا سبب کسی فریق کو حاصل شرعی اختیار یعنی خیار ہے، جیسے خیارِ عیب، خیارِ شرط اور خیارِ رؤیت، جن کی موجودگی میں متاثرہ فریق عقد فسخ کر سکتا ہے۔ تیسرا سبب عقد کی شرائط کی خلاف ورزی ہے، یعنی جب ایک فریق وہ کام نہ کرے جس پر عقد قائم ہوا تھا تو دوسرے فریق کو فسخ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ چوتھا سبب عقد کے موضوع کا ہلاک یا ناقابلِ انتفاع ہو جانا

ہے، مثلاً کرائے کی چیز ہلاک ہو جائے۔ پانچواں سبب بعض صورتوں میں قاضی کا فیصلہ ہے، جہاں فریق خود فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔ چھٹا سبب بعض غیر لازم عقود کی فطری نوعیت ہے کہ وہ فریقین میں سے کسی کے ختم کرنے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ ان اسباب کی تفصیل اور کسی خاص عقد پر ان کا اطلاق اس عقد کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے اور فقہ کی کتابوں میں ہر باب میں الگ بیان ہوا ہے۔

فسخ اور انفساخ کا فرق

انفساخ اور فسخ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فسخ میں عقد کو کسی کے عمل اور فیصلے سے ختم کیا جاتا ہے، جبکہ انفساخ میں عقد خود بخود، بغیر کسی کے فیصلے کے، ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر فروخت شدہ مخصوص چیز قبضے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو بیع خود بخود ختم سمجھی جاتی ہے، اس کے لیے کسی اعلان یا فیصلے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح بعض عقود میں کسی فریق کی وفات یا اہلیت کے خاتمے سے عقد از خود ختم ہو جاتا ہے۔ پس فسخ ایک ارادی یا عدالتی عمل ہے اور انفساخ ایک خود کار قانونی نتیجہ ہے۔ دونوں کا انجام عقد کا خاتمہ ہے مگر طریقہ اور سبب مختلف ہے۔

فسخ، خلع اور طلاق کا باہمی فرق

خلع اور طلاق کا تعلق خاص طور پر نکاح کے خاتمے سے ہے، اس لیے ان کا موازنہ بھی نکاح کے تناظر میں کیا جاتا ہے۔ طلاق شوہر کی طرف سے نکاح کے بندھن کو شرعی طریقے سے ختم کرنا ہے، جس کے خاص احکام، عدت اور مالی نتائج شریعت نے مقرر کیے ہیں۔ خلع وہ صورت ہے جس میں بیوی کسی عوض یا باہمی مفاہمت کی بنیاد پر علیحدگی حاصل کرتی ہے اور اس میں بھی مخصوص شرعی و قانونی تقاضے پورے کرنا ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں فسخِ نکاح عام طور پر قاضی یا مجاز عدالت کے ذریعے کسی شرعی سبب، مثلاً شدید ضرر یا بنیادی شرائط کی عدم موجودگی کی بنا پر نکاح کو ختم کرنا ہے۔ ان تینوں کے اسباب، طریقہ کار اور اثرات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور کسی بھی عملی کیس میں ان میں سے کسی رائے اور طریقے کا انتخاب اہلِ علم اور عدالت کی صوابدید اور متعلقہ قانون کے مطابق ہوتا ہے؛ طالب علم کے لیے اصل بات اصولوں کا فرق سمجھنا ہے، کسی فرد کے کیس کا فیصلہ کرنا نہیں۔

فسخ، ابطال اور افساد کا فرق

ابطال اور افساد کا تعلق عقد کی ابتدائی صحت سے ہے، جبکہ فسخ کا تعلق صحیح عقد کے بعد کے خاتمے سے ہے۔ ابطال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تصرف یا عقد شرعی اعتبار سے سرے سے باطل قرار پائے، یعنی اس میں عقد کی بنیادی شرائط ہی موجود نہ ہوں، چنانچہ اس کے شرعی اثرات پیدا ہی نہیں ہوتے۔ افساد سے مراد کسی عقد کو فاسد قرار دینا ہے، یعنی عقد میں اصل تو موجود ہو مگر کسی خارجی وصف یا ممنوع شرط کی وجہ سے اس میں فساد آ گیا ہو۔ ایسی صورت میں بھی فقہاء کے ہاں اس کے مخصوص احکام ہیں اور بالعموم اسے ختم کر کے فریقین کو ان کی اصل حیثیت کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں فسخ اس عقد کو ختم کرتا ہے جو صحیح پیدا ہوا تھا۔ یہ فرق محض لفظی نہیں بلکہ اس سے ملکیت کے انتقال، عوض کی واپسی اور ضمان جیسے اثرات میں بڑا فرق پڑتا ہے۔

جدول 3: فسخ اور متعلقہ اصطلاحات کا موازنہ

اصطلاح	بنیادی مفہوم	خاتمہ کیسے ہوتا ہے
فسخ	صحیح عقد کو شرعی سبب سے ختم کرنا	رضامندی، خیار کے استعمال یا قاضی کے فیصلے سے
انفساخ	عقد کا خود بخود ختم ہو جانا	کسی فیصلے کے بغیر، سبب کے پیش آتے ہی
خلع	عوض یا مفاہمت کی بنیاد پر نکاح سے علیحدگی	شرعی تقاضوں کے ساتھ باہمی یا عدالتی طریقے سے
طلاق	شوہر کی طرف سے نکاح کا خاتمہ	شرعی طریقے اور مقررہ ضوابط کے تحت
ابطال	عقد کو از سر نو باطل قرار دینا	عدالت یا شرعی حکم سے؛ اثرات پیدا ہی نہیں ہوتے
افساد	عقد کو فاسد قرار دینا	ممنوع وصف ختم کر کے یا عقد ختم کر کے

فسخ کے اثرات

فسخ کے اثرات کا خلاصہ یہ ہے کہ فریقین، جہاں تک ممکن ہو، عقد سے پہلی حیثیت میں لوٹ آتے ہیں۔ فروخت شدہ چیز اور اس کی قیمت واپس کی جاتی ہے، اور اگر چیز میں کسی فریق کے قبضے کے دوران کوئی تبدیلی یا نقصان ہوا ہو تو اس کے احکام عیب اور ضمان کے قواعد کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ اگر عقد سے کوئی منفعت حاصل کی جا چکی ہو جو واپس نہیں ہو سکتی تو اس کے عوض کا حساب کتاب عدل کے مطابق کیا جاتا ہے۔ کرایہ اور اجارے جیسے عقود میں گزرے ہوئے عرصے کی اجرت واجب رہتی ہے اور صرف آئندہ کا حصہ ختم ہوتا ہے۔ بعض عقود میں فسخ کا اثر آگے کے لیے ہوتا ہے اور گزرا ہوا عمل برقرار رہتا ہے، جبکہ بیع جیسے عقود میں فسخ کا اثر زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اس فرق کو فقہاء عقد کی نوعیت دیکھ کر بیان کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ عملی معاملات میں دستاویزات اور شرائط کو واضح رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ فسخ کی نوبت آئے تو حقوق کا تعین آسان ہو۔

نتیجہ

اختتاماً یہ کہا جا سکتا ہے کہ فسخ فقہ اسلامی کا وہ منصفانہ ادارہ ہے جو صحیح منعقد شدہ عقد کو شرعی سبب کی موجودگی میں ختم کرتا ہے۔ یہ انفساخ سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ وہاں خاتمہ خود کار ہوتا ہے، خلع و طلاق سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ وہ خاص طور پر نکاح کے ادارے سے متعلق ہیں اور ان کے اپنے احکام ہیں، اور ابطال و افساد سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ ان کا تعلق عقد کی ابتدائی خرابی سے ہے۔ فسخ کے درست استعمال سے معاملات میں عدل، اعتماد اور توازن برقرار رہتا ہے اور فریقین ظلم و نقصان سے محفوظ رہتے ہیں۔

سوال نمبر 4: نظریۂ ملکیت، اعیان و منافع اور مالک کے حقوق و حدود (20 نمبر)

سوال نمبر 4: قرآن و سنت کی روشنی میں 'نظریۂ ملکیت' کا مفہوم و اعیان و منافع کا فرق واضح کریں، نیز حصولِ ملکیت کے شرعی طریق ہائے کار اور مالک کے شرعی حقوق و حدود پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تمہید

ملکیت انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کی سب سے بنیادی حقیقتوں میں سے ایک ہے۔ گھر، زمین، مال و تجارت، مزدوری اور وراثت سب کا دارومدار اسی تصور پر ہے۔ اسلام نے ملکیت کو نہ تو اس طرح مطلق العنان چھوڑا ہے کہ طاقتور کمزور کا مال ہڑپ کر لے اور نہ ہی اس طرح ختم کیا ہے کہ انسان کی محنت اور جائز کمائی کی کوئی قدر نہ رہے۔ اس کے بجائے قرآن و سنت نے ملکیت کا ایک متوازن نظریہ پیش کیا ہے جس میں اصل مالکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان اس کے مال میں خلیفہ اور امین کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔ اس جواب میں نظریۂ ملکیت کا مفہوم، اعیان و منافع کا فرق، حصولِ ملکیت کے شرعی طریقے اور مالک کے حقوق و حدود بیان کیے جائیں گے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں نظریۂ ملکیت

قرآن مجید کے بیان کے مطابق آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور انسان کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کی عطا اور امانت ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کو مال کا مطلق مالک ہونے کے بجائے ذمہ دار منتظم سمجھا جاتا ہے۔ اس تصور کے کئی نتائج نکلتے ہیں۔ اول یہ کہ مال کمانے اور رکھنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے، محنت کا صلہ اور جائز ملکیت کا تحفظ شریعت کے مقاصد میں شامل ہے اور کسی کا مال ناحق کھانا صریحاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ دوم یہ کہ اس ملکیت پر زکوٰۃ، صدقات اور ضرورت مندوں کے حقوق جیسی ذمہ داریاں عائد ہیں، یعنی مال میں دوسروں کا حصہ بھی شامل ہے۔ سوم یہ کہ مال کے استعمال میں اسراف، فضول خرچی، سود، دھوکا اور ذخیرہ اندوزی جیسی صورتیں ممنوع ہیں۔ چہارم یہ کہ ملکیت کا حق موت کے بعد بھی وراثت کے شرعی نظام کے ذریعے منظم طریقے سے آگے منتقل ہوتا ہے۔ سنتِ نبوی نے بھی جائز تجارت، امانت داری اور دوسرے کے مال کی حرمت پر زور دے کر اسی نظریے کو عملی شکل دی ہے۔

ملکیت کی تعریف اور اقسام کا اجمالی خاکہ

اصطلاح میں ملکیت وہ شرعی تعلق ہے جو کسی انسان اور کسی چیز کے درمیان قائم ہو اور جس کی بنا پر وہ شریعت کی حدود کے اندر اس چیز میں تصرف کرنے کا مجاز ہو اور دوسرے اس کے اذن کے بغیر تصرف نہ کر سکیں۔ ملکیت کبھی تام ہوتی ہے جس میں چیز کی ذات اور اس کی منفعت دونوں ایک ہی شخص کے پاس ہوں، اور کبھی ناقص ہوتی ہے جس میں

صرف ذات کی ملکیت ہو یا صرف منفعت کی۔ مثال کے طور پر کرائے دار کے پاس مکان کی منفعت کی ملکیت ہوتی ہے جبکہ اس کی ذات مالک کی ملکیت رہتی ہے۔ اسی تقسیم کو سمجھنے کے لیے اعیان اور منافع کا فرق جاننا ضروری ہے، کیونکہ بہت سے عقود، مثلاً اجارہ، عاریت اور وقف، اسی فرق پر قائم ہیں۔

اعیان اور منافع کا فرق

اعیان سے مراد ٹھوس اور موجود چیزیں ہیں جن کی اپنی مادی حیثیت ہوتی ہے، جیسے زمین، مکان، جانور، کتاب اور گاڑی۔ ان چیزوں کو دیکھا، چھوا اور محفوظ کیا جا سکتا ہے اور یہ وقت کے ساتھ باقی بھی رہ سکتی ہیں۔ دوسری طرف منافع وہ فوائد ہیں جو ان اعیان سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے مکان کی رہائش، سواری کی منتقلی، جانور کے دودھ اور مشین کی پیداوار۔ منافع کوئی ٹھوس چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ پیدا ہوتی اور استعمال ہوتی ہے۔ اسی فرق کی بنا پر فقہاء یہ طے کرتے ہیں کہ کس چیز پر مستقل ملکیت ہو سکتی ہے، کس پر کرایہ اور اجارہ درست ہے اور تلف ہونے کی صورت میں ضمان کس پر آئے گا اور کس قدر آئے گا۔ بعض منافع ایسی ہیں جن پر مستقل ملکیت کے بجائے وقتی اختیار ہوتا ہے اور بعض اعیان ایسی ہیں جن میں ذات اور منفعت الگ الگ اشخاص کے پاس ہو سکتی ہیں، جیسے وقف کی جائیداد میں ذات وقف کے لیے محبوس ہوتی ہے اور منفعت مستحقین کو ملتی ہے۔

Figure: Two dimensions of ownership — corpus (ayn) and benefit (manfa'a)

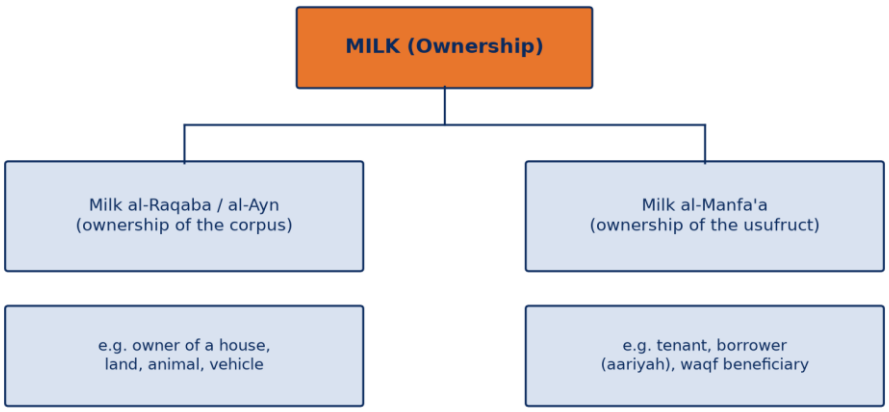

شکل: ملکیت کی دو جہتیں — عین کی ملکیت اور منفعت کی ملکیت

جدول 4: اعیان اور منافع کا موازنہ

پہلو	اعیان	منافع
تعریف	ٹھوس اور موجود چیزیں	اعیان سے حاصل ہونے والے فوائد
مثالیں	زمین، مکان، جانور، گاڑی	رہائش، سواری، دودھ، فصل کی پیداوار
وجود	مادی اور قابلِ تحفظ	وقت کے ساتھ پیدا اور استعمال ہونے والی
منتقلی	بیع و وراثت سے منتقل منتقل ہوتی ہے	اجارہ و عاریت سے وقتی طور پر ملتی ہے
اہم عقود	بیع، ہبہ، ورثہ	اجارہ، عاریت، وقف، وصیت بمنفعت

حصولِ ملکیت کے شرعی طریق ہائے کار

شریعت نے ملکیت حاصل کرنے کے صرف وہی طریقے جائز رکھے ہیں جو عدل اور رضامندی پر مبنی ہوں۔ پہلا طریقہ عقود ہیں، یعنی خرید و فروخت، ہبہ، اجارہ کے ذریعے منفعت کا حصول اور دیگر جائز معاہدے، جن میں فریقین کی رضامندی اور واضح شرائط بنیاد ہوتی ہیں۔ دوسرا طریقہ وراثت ہے، جس میں مرنے والے کا مال شرعی حصوں کے مطابق وارثوں کو منتقل ہو جاتا ہے، چاہے وہ اس میں براہِ راست کسی معاہدے کے فریق نہ ہوں۔ تیسرا طریقہ محنت اور کمائی ہے، یعنی مزدوری، تجارت، صنعت اور زراعت کے ذریعے وہ مال جو انسان اپنی جائز محنت سے پیدا کرتا ہے۔ چوتھا طریقہ بعض صورتوں میں مباح اور بے مالک چیزوں پر قبضہ اور انہیں قابلِ استعمال بنانا ہے، مگر یہ بھی اجتماعی حقوق اور قانونی ضوابط کے تابع ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں چوری، رشوت، سود، جوا، جعل سازی، غبن اور کسی کا مال دباؤ سے لینا ملکیت کے ناجائز طریقے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والا مال حلال ملکیت قرار نہیں پاتا۔ یہ امتیاز اسلامی معاشی نظام کی روح ہے کہ ملکیت کا احترام اسی وقت ہے جب اس کا سبب بھی جائز ہو۔

مالک کے شرعی حقوق

مالک کو اپنی ملکیت کے سلسلے میں شریعت نے واضح حقوق دیے ہیں۔ اسے اپنی چیز سے فائدہ اٹھانے، اسے استعمال کرنے، اسے کرائے پر دینے، بیچنے، ہبہ کرنے اور اس کے بارے میں وصیت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کوئی دوسرا اس کی اجازت کے بغیر اس کی چیز میں تصرف نہ کرے، اور اگر کوئی ناحق تصرف کرے یا اس کی چیز کو نقصان پہنچائے تو وہ قانونی اور شرعی چارہ جوئی کر کے اپنا حق وصول کر سکے۔ مالک کو اپنی ملکیت کے تحفظ کے لیے عدالت سے رجوع کرنے اور دستاویزی ثبوت پیش کرنے کا بھی حق ہے۔ یتیموں، وقف اور نابالغوں کے مال کے معاملے میں سرپرست کو بھی مالک کے مفاد ہی میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ ان حقوق کی موجودگی سے معاشرے میں محنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہر شخص اطمینان سے جائز کمائی اور سرمایہ کاری کی طرف بڑھتا ہے۔

مالک کے حقوق کی حدود

اسلام میں مالک کے حقوق لامحدود نہیں بلکہ ان پر کئی شرعی حدود عائد ہیں۔ پہلی حد یہ ہے کہ مالک اپنی چیز کو حرام کام میں استعمال نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے ایسی صورت میں بیچ یا کرائے پر دے سکتا ہے جس میں حرام مقصد غالب ہو۔ دوسری حد یہ ہے کہ اس کا تصرف دوسروں کے لیے ضرر کا سبب نہ بنے؛ یہی وہ اصول ہے جو تعسف کی ممانعت سے بھی جڑا ہوا ہے۔ تیسری حد مالی ذمہ داریوں کی ادائیگی ہے، یعنی زکوٰۃ اور دیگر واجب حقوق ادا کیے بغیر ملکیت کا دعویٰ مکمل نہیں ہوتا۔ چوتھی حد یہ ہے کہ مالک اسراف اور تبذیر سے بچے اور مال کو معاشرے کے لیے نقصان دہ اجتماع اور اجارہ داری کی صورت میں استعمال نہ کرے۔ پانچویں حد یہ ہے کہ اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ریاست شرعی حدود کے اندر ٹیکس، ضوابط اور شہری منصوبہ بندی جیسے امور میں تصرف پر مناسب قیود لگا سکتی ہے۔ ان حدود کا مقصد ملکیت کو ختم کرنا نہیں بلکہ اسے عدل اور مفادِ عامہ کے ساتھ ہم آہنگ رکھنا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نظریۂ ملکیت در اسلام امانت اور ذمہ داری کا نظریہ ہے۔ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کو جائز طریقوں سے کمانے، رکھنے اور استعمال کرنے کا منظم حق حاصل ہے۔ اعیان ٹھوس چیزوں اور منافع ان سے پیدا ہونے والے فوائد کا نام ہے، اور یہی فرق اجارہ، وقف اور عاریت جیسے اداروں کی بنیاد ہے۔ مالک کے حقوق وسیع ہیں مگر اسراف، ضرر، حرام استعمال اور واجب حقوق کی ادائیگی سے بچنا اس کی ان حدود میں ہیں۔ یہ توازن ہی اسلامی ملکیت کے نظام کو انفرادیت اور اجتماعیت کی انتہاؤں سے بچاتا ہے۔

سوال نمبر 5: ضمان کا تصور، مشروعیت، قبضے کی اقسام اور اسبابِ ضمان (20 نمبر)

سوال نمبر 5: فقہ اسلامی کی اصطلاح میں 'ضمان' کا تصور اور اس کی شرعی مشروعیت کے دلائل بیان کریں، نیز قبضۂ امانت اور قبضۂ ضمان کا فرق اور ضمان کے بنیادی اسباب (تعدی، ضرر، اور افضاء) تحریر کریں۔ (20)

تمہید

معاشرتی اور مالی زندگی میں یہ واقعات عام ہیں کہ کسی کے پاس رکھی ہوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے، کسی کی غفلت سے دوسرے کا مال تلف ہو جاتا ہے یا کسی عمل کے نتیجے میں تیسرے شخص کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نقصان کی تلافی کون کرے گا اور کس حد تک کرے گا۔ اسی تلافی کی ذمہ داری کو فقہ کی اصطلاح میں ضمان کہا جاتا ہے۔ ضمان کا ادارہ اسلامی قانون کے عدل کا عملی اظہار ہے، کیونکہ اس کے ذریعے نہ ظالم کو اس کے نقصان سے بچنے کا موقع ملتا ہے اور نہ بے گناہ کو دوسرے کی غلطی کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس جواب میں ضمان کا مفہوم، اس کی شرعی حیثیت کے دلائل، قبضۂ امانت اور قبضۂ ضمان کا فرق اور ضمان کے تین بنیادی اسباب بیان کیے جائیں گے۔

ضمان کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں ضمان کے معنی ذمہ داری قبول کرنے، کسی چیز کا اپنے ذمے لینے اور کفالت کے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں ضمان کی دو بڑی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک صورت وہ ہے جس میں نقصان کی تلافی لازم آتی ہے، یعنی جب کسی کا مال دوسرے کے فعل یا غفلت سے تلف ہو جائے تو اس پر اس مال کی مثل یا قیمت ادا کرنا لازم آتا ہے۔ دوسری صورت کفالت اور ذمہ داری قبول کرنے کی ہے، جس میں کوئی شخص دوسرے کے ذمے واجب حق کی ادائیگی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس سوال کے تناظر میں بنیادی بحث پہلی صورت یعنی تلافیِ نقصان سے ہے۔ اصطلاحی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ضمان کسی شرعی سبب کی بنا پر کسی شخص کے ذمے دوسرے کے حق یا مال کی تلافی کا واجب ہو جانا ہے۔ ضمان کا محل مال بھی ہو سکتا ہے اور بعض صورتوں میں منفعت اور خدمت بھی، اور اس کا معیار عدل یہ ہے کہ جتنا نقصان ثابت ہو اسی قدر تلافی ہو، نہ اس سے زیادہ سزا کے طور پر وصول کی جائے اور نہ نقصان زدہ کو تلافی سے محروم رکھا جائے۔

ضمان کی شرعی مشروعیت کے دلائل

ضمان کی مشروعیت قرآن و سنت کے متعدد اصولوں سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے دوسروں کے مال کو ناحق کھانے سے منع کیا ہے اور امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچانے کا حکم دیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ امانت میں خیانت یا مال کی تلفی کی صورت میں تلافی کی جائے۔ سنت میں مشہور اصول آیا ہے کہ نقصان پہنچانا اور نقصان کا بدلہ نقصان سے لینا جائز نہیں، یعنی لا ضرر ولا ضرار، اور اسی اصول سے یہ قاعدہ نکلا کہ ضرر کو دور کیا جائے گا، جس کی عملی صورت ضمان ہی ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے اس کی واپسی اس پر لازم ہے جب تک وہ اسے واپس نہ کر دے، جو قبضے کے ساتھ ذمہ داری کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ صحابہ اور فقہاء کے اجماعی عمل سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ متلف پر تلف شدہ مال کی تلافی لازم آتی ہے۔ عقل اور عدل کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ اگر تلافی کا نظام نہ ہو تو دوسروں کے مال میں لاپروائی عام ہو جائے اور معاشرتی اعتماد ختم ہو جائے۔ یہ دلائل یہاں اصول کی سطح پر بیان کیے گئے ہیں؛ کسی خاص واقعے میں ضمان کی مقدار اور ذمہ دار کی تعیین ہمیشہ ثبوت اور حالات کی روشنی میں ہوتی ہے۔

قبضۂ امانت اور قبضۂ ضمان کا فرق

ضمان کے باب میں قبضے کی نوعیت فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ قبضۂ امانت وہ قبضہ ہے جو مالک کی اجازت سے اور اسی کے فائدے یا حفاظت کی غرض سے حاصل ہو، جیسے ودیعت میں رکھوالی کرنے والا، وکیل، شریک اور بعض صورتوں میں عاریت لینے والے کے احکام فقہاء مخصوص تفصیلات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ایسے قبضے میں اصول یہ ہے کہ چیز اگر بغیر تعدی اور کوتاہی کے اتفاقاً تلف ہو جائے تو قبضہ کرنے والے پر ضمان نہیں آتا، کیونکہ اس کا ہاتھ امانت کا ہاتھ ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ تعدی کرے، مثلاً چیز کو بغیر اجازت استعمال کرے یا حفاظت میں ثابت شدہ کوتاہی کرے تو اس کا قبضہ ضمان کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس قبضۂ ضمان وہ قبضہ ہے جو ابتدا ہی سے ذمہ داری کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی قابض چیز کو اپنے فائدے یا اپنے التزام کی بنیاد پر رکھتا ہے، جیسے غاصب کا قبضہ، خریدار کا مبیع پر قبضہ مخصوص شرائط کے ساتھ اور قرض میں لی گئی چیز کا قبضہ۔ ایسے قبضے میں چیز اگر اتفاقاً بھی تلف ہو جائے تو تلافی قابض ہی کے ذمے رہتی ہے۔ یہی فرق عملی زندگی میں بے شمار منازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔

جدول 5: قبضۂ امانت اور قبضۂ ضمان کا موازنہ

پہلو	قبضۂ امانت	قبضۂ ضمان
قبضے کی بنیاد	مالک کی اجازت، حفاظت یا خدمت کی غرض	اپنا فائدہ، التزام یا ناحق قبضہ
مثالیں	ودیعت رکھنے والا، وکیل، ناظرِ وقف	غاصب، مقترض، بعض صورتوں میں خریدار
اتفاقی تلفی پر ضمان	تعدی یا کوتاہی نہ ہو تو ضمان نہیں	اصولاً ضمان قابض ہی پر رہتا ہے
تعدی کے بعد حیثیت	ضمان کا حکم لاگو ہو جاتا ہے	ضمان بدستور قائم رہتا ہے
بنیادی اصول	امین پر الزام ثبوت کے بغیر قبول نہیں	ہاتھ نے جو لیا اس کی ادائیگی لازم ہے

ضمان کا پہلا سبب: تعدی

ضمان کے بنیادی اسباب میں پہلا سبب تعدی ہے۔ تعدی سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے، یعنی کوئی شخص کسی چیز کو اس کی اجازت شدہ حد سے آگے استعمال کرے، اس میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرے یا اس کی حفاظت کے مقررہ شرعی و عرفی معیار سے نیچے گر جائے۔ امانت دار کی کوتاہی اور تعدی ہی وہ موڑ ہے جہاں سے اس پر ضمان شروع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کو گاڑی صرف شہر کے اندر چلانے کے لیے دی گئی ہو اور وہ اسے بغیر اجازت لمبے سفر پر لے جائے اور اس دوران حادثہ ہو جائے تو وہ تعدی کا مرتکب ہو گا اور نقصان کا ذمہ دار بھی۔ اسی طرح کرائے کی چیز کو مقررہ مقصد کے علاوہ استعمال کرنا یا حفاظت کی واضح شرط کی خلاف ورزی کرنا تعدی میں داخل ہے۔ تعدی کے ثبوت کے بعد یہ بہانہ کافی نہیں رہتا کہ نقصان قصداً نہیں کیا گیا، کیونکہ ضمان کا تعلق نتیجے اور ذمہ داری سے ہے، محض نیت سے نہیں، البتہ اخلاقی اور اخروی ذمہ داری میں نیت کا پہلو الگ سے موجود رہتا ہے۔

ضمان کا دوسرا سبب: ضرر

دوسرا بنیادی سبب ضرر ہے، یعنی کسی کے فعل سے دوسرے کی جان، مال یا جائز منفعت کو حقیقی نقصان پہنچنا۔ ضرر کی موجودگی ضمان کی روح ہے، کیونکہ جہاں سرے سے نقصان ہی نہ ہو وہاں تلافی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقہاء ضرر کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں، مثلاً کسی کی چیز تلف کر دینا، اس کی قیمت گھٹا دینا، اسے ناقابلِ استعمال بنا دینا یا اس کی جائز آمدن کا ذریعہ بند کر دینا۔ اس باب کا مشہور قاعدہ یہ ہے کہ ضرر دور کیا جائے گا اور جہاں ضرر واقع ہو چکا ہو وہاں اس کا ازالہ مال کی مثل یا قیمت کی ادائیگی سے کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ ضمان کے لیے ضرر کا حقیقی اور قابلِ ثبوت ہونا ضروری ہے، محض خیالی یا مفروضہ نقصان پر تلافی لازم نہیں آتی، اور اسی طرح اگر نقصان خود نقصان زدہ کی اپنی غلطی یا قبول کردہ خطرے سے پیدا ہوا ہو تو اس کے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان درجہ بندیوں کا اطلاق فقہاء اور عدالتیں حالات کے مطابق کرتی ہیں۔

ضمان کا تیسرا سبب: افضاء

تیسرا سبب افضاء ہے۔ افضاء سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا فعل براہ راست نہ ہو بلکہ وہ ایسی صورت اور سبب پیدا کر دے جو انجام کار کسی اور کے نقصان تک پہنچے۔ یعنی نقصان اس کے ہاتھ سے براہ راست واقع نہیں ہوا، مگر اس کی بنائی ہوئی صورتحال ہی نقصان کا ذریعہ بنی۔ اس کی کلاسیکی مثال فقہ کی کتابوں میں یہ دی جاتی ہے کہ کوئی شخص عام راستے میں بغیر اجازت گڑھا کھود دے اور اس میں گر کر کسی کا جانور یا مال تلف ہو جائے تو اس تلفی کا ضمان گڑھا کھودنے والے پر آئے گا، کیونکہ اس نے ہی نقصان کا سبب پیدا کیا تھا۔ اسی اصول کے تحت راستے میں رکاوٹ کھڑی کرنا، خطرناک چیز کو بے احتیاطی سے چھوڑ دینا اور کسی تعمیر کرنا جو بعد میں گر کر نقصان پہنچائے، افضاء کی صورتوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ فقہاء براہ راست نقصان پہنچانے والے کو مباشر اور سبب پیدا کرنے والے کو متسبب کہتے ہیں، اور دونوں کے ضمان کے احکام میں باریک فرق بیان کرتے ہیں، تاہم جہاں متسبب کی تعدی ثابت ہو وہاں اس کا ضمان بھی اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ضمان فقہ اسلامی میں تلافیِ نقصان کی ذمہ داری کا نام ہے جس کی مشروعیت قرآن و سنت کے اصولِ امانت، حرمتِ مال اور دفعِ ضرر سے ثابت ہے۔ قبضۂ امانت میں بغیر تعدی کے تلافی نہیں آتی جبکہ قبضۂ ضمان میں ذمہ داری ابتدا ہی سے قائم ہوتی ہے۔ ضمان کے تین بنیادی اسباب تعدی یعنی حد سے تجاوز، ضرر یعنی حقیقی نقصان کا وقوع اور افضاء یعنی نقصان تک پہنچانے والے سبب کا پیدا کرنا ہیں۔ ان اصولوں کے ذریعے شریعت نے ہر شخص کو اس کے عمل کے نتیجے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور اسی سے معاشرے میں مال کی حفاظت، اعتماد اور عدل قائم رہتا ہے۔